عصر کا اصلی وقت



تصنیف لطیف

حُضور فیض ملت مُفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی
رحمۃ اللہ علیہ




بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدُ للهِ وحدَهُ، والصَّلاةُ والسَّلامُ على مَن لا نَبِيَّ بعدَهُ

پیش لفظ

نماز ایک اہم فریضہ ہے بالخصوص نماز عصر جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یوں تاکید فرمائی ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (ترجمہ: تمام نمازوں کی پابندی کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی)

"اَلْوُسْطٰی" سے جمہور کے نزدیک نماز عصر ہے اس لئے شیطان ابلیس نے صرف اسی نماز کے وقت اسلامی فرقوں میں گڑبڑ کرائی ہے۔

احناف کے نزدیک امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فتوی پر مِثْلَیْن (یعنی سایہ اصلی کا دوگنا ہونے) کے بعد نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک مثلِ اول (یعنی سایہ اصلی کا ایک مثل ہونے) کے بعد اس کا وقت شروع ہوتا ہے۔ بد مذاہب مثلاً خوارج اور نجدی اور وہابی نے اس وقت کو نہ صرف ترجیح بلکہ اسی کو گویا لازم قرار دیا۔

بعض دیوبندی بھی اسی مسلک کو اچھا سمجھتے ہیں اور اسکے آخری وقت کے متعلق بھی اختلاف بپا ہوا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے حنفیت کی ترجمانی کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر فتاوی رضویہ میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ فقیر نے ان کے فتاوی کو معمولی ترمیم کرکے یہ پیشکش کی ہے اہل اسلام سے اپیل ہے کہ تحقیقِ رضوی سے استفادہ کرکے حق مذہب احناف پر عمل کریں۔ وَما عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

فقط والسلام

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بہاول پور، پاکستان

۲۴ شعبان ۱۴۲۲ھ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمْ

آج کل حرَمَینِ طَیّبَین میں نجدی حکومت کی طرف سے ائمّہ نمازیں ایسے اوقات میں پڑھاتے ہیں، جو اگر نماز میں احناف کے اصول پر، اوقاتِ مُستَحسَنَہ (پسندیدہ اوقات) پر نہیں ہورہی ہیں، بالخصوص عصر کی نماز تو ہوتی ہی نہیں، کہ یہ لوگ مِثلِ اوّل (سورج کے سائے کے برابر سائے) کے بعد نمازِ عصر پڑھادیتے ہیں۔ ہمیں ان سے سروکار نہیں، کہ وہ نجدی جو ہوئے، ان کے پیچھے سرے سے نماز ہوتی ہی نہیں۔ تفصیل دیکھئے فقیر کا رسالہ امامِ حــرم اور ہم، لیکن افسوس ان خوشامدی حنفی مولویوں پر ہے، کہ محض نجدیوں کو خوش کرنے کے لئے فتاوی مرتب کر دیئے، کہ عصر کا وقت مثلِ اوّل کے بعد، حنفیوں کے نزدیک مُرَجَّح (زیادہ راجح) و مُفتٰی بِہٖ (فتویٰ دیا جانے والا قول) ہے۔ فتاوی میں صاحبَین کے مذہب کی عبارات، کُتبِ احناف سے بھرمار کر دی، اور ساتھ ہی یہ ظلم کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے دو مثل والے قول سے رُجوع کر کے صاحبَین سے اتفاق فرمایا۔ (إِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)

فقیر یہ رسالہ، امام احمد رضا مُحدِّث بَریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے فتــاویٰ رضویــہ سے آسان طریقہ سے تیار کر کے، عوامِ احناف سے اپیل کرتا ہے، کہ اگر نجدی ائمہ کے دیکھا دیکھی، یا ان حنفی خوشامدی مولویوں کے فتوے پر عمل کیا، تو قیامت میں اس نمازِ عصر کی باز پُرس (سخت سوال جواب) ہوگی۔

"وَما عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ"

امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا: حضرت سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک، جب سایہ، ظلِّ اصلی (اصل سائے) کے علاوہ دو مثل (دوگنا سایہ) نہ ہو جائے، وقتِ عصر نہیں آتا۔ اور صاحبَین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے۔ اگرچہ بعض کُتبِ فتاویٰ وغیرہ، تصانیفِ بعض متاخرین (بعد کے علماء کی تصنیفات) مثل درمختــار وغیرہ، دو مثل کے مقابل قولِ صاحبَین کو مرجّح (زیادہ مضبوط) بتاتے ہیں، مگر قولِ امام ہی احوط (زیادہ محتاط)، واضح، اور از رُوئے دلیل ارجح (زیادہ راجح و مضبوط) ہے۔ عموماً متونِ مذہب (مذہب کے بنیادی متون) قولِ امام پر جزم (یقین) کیے ہیں، اور ائمہ اَجلّہ شارحین (بزرگ شارح علماء) نے اسے مرضی (پسندیدہ) و مختار (منتخب) رکھا، اور اکابر ائمہ ترجیح و افتا (فتویٰ دینے والے بڑے اماموں) بلکہ جمہور (اکثریت) پیشوایانِ مذہب نے اس کی تصحیح (صحیح قرار دینا) کی۔

(۱) امام ملک العلماء ابو بکر مسعود نے بدائع اور (۲) امام سرخسی نے محیط میں فرمایا: هو الصحيح (یہی صحیح ہے۔) (۳) امام اجل قاضی خان نے اس کو تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو أَظْهَرُ مِنْ حَيْثُ الدِّرايَةِ، وَأَشْهَرُ مِنْ حَيْثُ الرِّوايَةِ، كَمَا نُصَّ عَلَيْهِ فِي خُطْبَةِ الخانية[1] اور وہی قول معتمد ہوتا ہے كما في الطحطاوي والشامي۔ (جیسا کہ طحطاوی اور شامی میں ہے۔) یوں ہی (۴) امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی۔ (۵) امام اجل برہان الدین صاحب ہدایہ نے ہدایہ اور (۶) امام اجل ابو البرکات نسفی نے کافی اور (۷) امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اس کی دلیل مرجح رکھی۔ (۸) امام اجل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا۔

1) "علم و فہم کے لحاظ سے زیادہ واضح (دلائل کے اعتبار سے قوی تر) ہے، اور روایت کے لحاظ سے زیادہ مشہور (نقل و رواج میں زیادہ معروف) ہے، جیسا کہ 'فتاویٰ خانیہ' کی تمہید میں اس پر صراحت کی گئی ہے۔" (س رضا)

(۹)امام صدر الشریعہ نے اس پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین اَعْنِیْ (میری مراد) مصنفین برہان وفیض و در مختار ان اکابر میں ایک کی بھی جلالت شان کو نہیں پہنچتے۔ (۱۰)فتاوی غیاثیہ و(۱۱)جواہر اخلاطی میں فرمایا: هو المختار (یہی مختار ہے۔)(۱۲)علامہ قاسم نے تصحیح قدوری میں اس کی تحقیق کی۔(۱۳)امام سمعانی نے خزانۃ المفتیین میں اسی پر اقتصار فرمایا قول خلاف کا نام بھی نہ لیا۔(۱۴)امام محمود عینی نے اس کی تائید فرمائی (۱۵)ملتقی الابحر میں اسی کو مقدم رکھا اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو ارجح ہو كَمَا ذُكِرَ فِي خُطْبَتِهِ (جیسا کہ اس کا خطبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔) اور وہی مختار للفتویٰ ہوتا ہے کمافی شَرْحِ مجمع الانھار (جیسا کہ اس کی شرح مجمع الانہار میں ہے۔)(۱۶)مراقی الفلاح میں ہے: هُوَ الصَّحِيحُ، وَعَلَيْهِ جُلُّ الْمَشَائِخِ وَالْمُتُونِ (یہی صحیح ہے اور اسی پر جمہور مشائخ و متون مذاہب ہیں۔)(۱۷)طحطاوی علی المراقی میں ہے: صَحَّحَهُ جُمْهُورُ أَهْلِ الْمَذْهَبِ (جمہور ائمہ مذہب نے اس کی تصحیح فرمائی۔)(۱۸)نقایہ میں روایت خلاف کی تضعیف فرمائی۔(۱۹)شرح المجمع للمصنف میں ہے: إِنَّهُ الْمَذْهَبُ، وَاخْتَارَهُ أَصْحَابُ الْمُتُونِ، وَارْتَضَاهُ الشَّارِحُونَ. (مذہب یہی ہے اور اسی کو اصحاب متون نے اختیار فرمایا اور اسی کو شارحین نے مرضی و پسندیدہ رکھا۔)(۲۰) ینابیع و(۲۱)عالمگیری میں ہے: هُوَ الصَّحِيحُ (یہی صحیح ہے۔)(۲۲)جامع الرموز میں اس کو مفتٰی بہ بتایا۔(۲۳)سراج المنیر میں ہے: عَلَى قَوْلِهِ الْفُتْيَا (امام ہی کے قول پر فتوی ہے۔)(۲۴)بحر الرائق پھر (۲۵)ردالمحتار میں ہے قول امام سے عدول کی اجازت نہیں۔[2]

مذھب ابو حنیفه کی حدیث: صحیح بُخاری شریف کی حدیث "بابُ الاَذانِ للمسافر" میں ہے کہ اَبوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ رِکابِ اقدس (سواریِ نبوی ﷺ) تھے۔ مؤذّن نے اذان دینی چاہی، فرمایا: أبرِد (ٹھنڈا کر یعنی وقت ظہر کو تاخیر سے پڑھ)، وقت ٹھنڈا کر۔ دیر کے بعد مؤذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا، فرمایا: أبرِد، وقت ٹھنڈا کر۔ اور یوں ہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے حَتّٰی سَاوَى الظِّلُّ التَّلَالَ (یعنی یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا)، اُس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا: گرمی کی شدّت جہنّم کی سانس سے ہے، تو جب گرمی سخت ہو، ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو"۔

فائده: مشاہدہ (آنکھوں سے دیکھا ہوا تجربہ)، شاہد (گواہ) اور قواعدِ علمِ ہیأت (فلکیات کے اصول وضوابط) گواہ اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات (واضح بیانات) ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں، معدوم محض (بالکل نہ ہونے والا) ہوتا ہے، خصوصاً اقلیمِ ثانی (زمین کے دوسرے خطے میں) میں، جس میں حرمینِ طیبین اور اُن کے بلاد (علاقے) ہیں۔

امام نووی شافعی و امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: ٹیلے، زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، تو زوال (سورج کے خطِ نصف النہار سے ڈھلنے) کے بہت زمانے کے بعد ان کا سایہ شروع ہوتا ہے۔

امام ابنِ اثیر جزری شافعی نے 'نہایہ' میں فرمایا: اُن کا سایہ اُس وقت آغاز ہوتا ہے جب وقتِ ظہر کا اکثر حصہ گزر جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آغاز اس وقت ہوگا، تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثلِ ثانی (دوگنا سایہ) کے بھی اخیر حصہ میں۔ اُس وقت تک حضور اقدس ﷺ نے اذان نہ دینے دی، تو نماز تو یقیناً اور بھی بعد ہوئی، تو بلاشبہ مثلِ ثانی بھی وقتِ ظہر ہوا۔

---

[2] (فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، باب الاوقات، نماز کے وقتوں کا بیان، 5/133 تا 136، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور اس حدیث کو ارادۂ جمع بین الصلاتین (دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کا ارادہ) پر حمل کرنا، خود اسی حدیث کے الفاظ سے باطل (باطل خیال) ہے۔ حضور ﷺ یہاں 'ابراد' (ٹھنڈا کرنے) کا حکم فرمارہے ہیں کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصے میں پڑھی جائے، نہ یہ کہ وقت نکال دینے کے بعد دوسری نماز کے وقت میں ادا کی جائے۔

حضور ﷺ یہاں حکمِ عام ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو، یوں ہی وقت ٹھنڈا کرو۔ یہ نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملاکر پڑھو۔ اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ حدیثِ امامتِ جبریل علیہ السلام، جس کے بھروسے پر "برہان" و "در مختار" نے مثلِ اول اختیار کیا، اصلاً حجت (دلیل) نہیں ہوسکتی، کہ وہ دنیا میں سب سے پہلی حدیثِ اوقات ہے۔ نماز شبِ اسراء میں فرض ہوئی، اور اُسی کے دن میں وقتِ ظہر کو آکر جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیانِ اوقات کے لئے امامت کی۔ تو جو حدیث اُس کے خلاف ہے، وہ اُس کے بعد کی ہے اور اُس کی ناسخ (منسوخ کرنے والی) ہے۔

اور قولِ دو مثل سے امام (ابو حنیفہ) کا رجوع فرمانا ہرگز صحیح نہیں، بلکہ اس کا خلاف ثابت ہے، کہ تمام متونِ مذہب وہی نقل فرمارہے ہیں۔ اور متون ہی نقلِ مذہب کے لیے موضوع (مرجع) ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل یعنی 'مبسوط' میں، کہ وہ کتبِ ظاہر الروایہ سے ہے، وہی قولِ امام لکھا۔ "نہایہ" میں ہے، امام سے وہی ظاہر الروایہ ہے۔ 'غایۃ البیان' میں ہے، یہی امام کا مذہب مشہور وماخوذ ہے۔ 'محیط' میں ہے، قولِ امام سے یہی صحیح ہے۔ 'بنایہ' (شرح الہدایہ) میں ہے، امام سے یہی روایت صحیح ہے۔ 'شرحِ مجمع' میں ہے، مذہبِ امام یہی ہے۔ یہ تمام مضمون 'البحر' (البحر الرائق) سے لیا گیا ہے۔

ازالہ وہم: بعض نقولِ خاملہ مرجوحہ (کمزور اور غیر ترجیح یافتہ اقوال) کی بنا پر زَعمِ رُجوع (رجوع کا خیال) محض ناموجہ (بالکل بے بنیاد) ہے، بلکہ قولِ یک مثل (ایک سایہ ہونے پر عصر کا وقت) ہی سے رجوع ثابت ہے کہ وہ خلافِ ظاہر الروایہ (ظاہر و معتمد مذہبی روایت کے خلاف) ہے، اور جو کچھ خلافِ ظاہر الروایۃ (مذہب کی ظاہر اور معتبر روایت کے خلاف) ہو، وہ مرجوع عنہ (چھوڑ دیا گیا) ہے، كما في البحر والخيرية وغيرهما (جیسا کہ البحر، الخیریہ، اور دیگر کتب میں ہے)۔

تو یہ مذہبِ مہذب (مرتب، قوی اور درست مذہب) وہ ہے جو کثیرہ مذہبِ صاحبین (صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد کے اقوال کی کثرت) پر مرجَّح (زیادہ وزنی) ہوا۔

۱۔ یہی مذہبِ امام (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب) ہے، اور مذہبِ امامِ اعظم پر عمل واجب (فرض ولازم) ہے جب تک کہ کوئی ضرورت اُس کے خلاف پر باعث نہ ہو (یعنی کوئی شرعی یا عقلی مجبوری نہ ہو)۔

۲۔ اسی پر متونِ مذہب (حنفی فقہ کی بنیادی معتمد کتابیں) ہیں، اور متون کے ہوتے ہوئے دیگر کتابیں (شروح یا حواشی) مقبول نہیں ہوتیں (یعنی ان پر ترجیح نہیں پاتی)۔

۳۔ اسی پر ائمہ شروح (شرح لکھنے والے بڑے فقہاء) ہیں، اور شروح، فتاویٰ پر مقدم (شرحیں فتاویٰ سے زیادہ قابلِ اعتماد) ہوتی ہیں۔

۴۔ اَجلّہ اکابرِ ائمہ تصحیح و فتویٰ (بڑے بڑے معتبر فتویٰ دینے والے علماء)، مثلاً امام قاضی خان، امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ، امام ملک العلماء مسعود کاشانی صاحب بدائع و غیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قول کی ترجیح و تصحیح (افضلیت اور درستگی) فرمائی، اور ان کی جلالتِ شان و تحسین (بلند مقام اور ستائش) باعثِ ترجیح (ترجیح کا سبب) ہے۔

۵۔ جمہور مشائخِ مذہب (اکثر مشائخ وعلمائے احناف) نے اس کی ترجیح و تصحیح فرمائی، اور عمل اسی پر چاہیے جس طرف اکثر مشائخ ہوں۔

۶۔ اسی میں احتیاط ہے کہ اگر مثلِ ثانی (دو سایے کے وقت) میں عصر پڑھی، تو ایک مذہبِ جلیل (بزرگ و معتبر فقہی قول) پر بھی فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوا (یعنی اگر وہ غلط بھی ہو تو نماز ادا نہ سمجھی گئی)، پڑھی بے پڑھی برابر رہی۔ اور اگر بعدِ مثلِ ثانی (دو سایے کے بعد) پڑھی، تو بالاتفاق صحیح اور کامل ادا ہوئی (یعنی تمام اقوال کے مطابق درست ہوئی)۔

مذہبِ صاحِبَیْنُ کی احادیث کا جواب: بعض صاحبان نے گمان یہ کیا کہ احادیث مذہبِ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذہبی موقف) میں نص (صریح دلیل یا قطعی عبارت) ہیں بخلاف مذہب امامِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حالانکہ حق یہ ہے کہ صحاحِ احادیث (درجۂ صحیح رکھنے والی احادیث) دونوں جانب موجود ہیں، ہر گز کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ مذہبِ صاحبین پر کوئی حدیث صحیح (سند کے لحاظ سے معتبر)، صریح (واضح المعنی)، سالم عن المعارض (جس کا کوئی مخالف و معارض نہ ہو)، ناطِق (صاف گو اور مدلل) ہے۔ جسے دعویٰ ہو، پیش کرے اور بامدادِ روحِ پُر فُتوح (روشن باطن والے کی صبح) حضرتِ سَیِّدُنا الاِمام رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اس فقیر سے جواب لے، اِن شاءَ اللہُ تَعَالٰی۔ یا تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ حدیث جس سے مخالف نے استناد (سہارا لینا، دلیل پکڑنا) کیا، صحیح نہ تھی، یا صحیح تھی تو مذہبِ صاحبین میں صریح نہ تھی، یا یہ بھی کہی، اُس کا معارضِ صحیح (برابر کا صحیح درجہ رکھنے والا مخالف) موجود ہے۔

اور فقیر اِن شاءَ اللہُ تَعَالٰی ثابت کر دے گا کہ اس تعارُض (باہمی اختلاف، مقابلہ) میں احادیثِ مذہبِ صاحبین کو منسوخ (منسوخ شدہ، یعنی بعد والی دلیل سے ختم شدہ) ماننا ہی مقتضائے اصول (اصولی تقاضا) ہے، اور اگر نہ مانیں، تو بھی تعارُض قائم ہو کر تَساقُط (دونوں دلیلوں کا گر جانا یا بے اثر ہو جانا) ہو گا، اور پھر وہی مذہبِ امام رنگِ ثبوت (ثابت ہونے کی کیفیت) پائے گا۔

کہ جب بوجہ تعارُض مِثلِ ثانی (سورج کے اصل سایہ کے برابر دوگنا سایہ) میں شک واقع ہو کہ یہ وقتِ ظہر ہے یا وقتِ عصر، اور اس سے پہلے وقتِ ظہر بالیقین (یقینی طور پر) ثابت تھا، تو شک کے سبب خارج نہ ہو گا اور وقتِ عصر بالیقین نہ تھا، تو شک کے سبب داخل نہ ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ عندالتحقیق (تحقیق کے وقت یا نتیجے کے طور پر) مِثلِ ثانی میں عصر ادا ہی نہ ہو گی، بلکہ فرض ذِمّہ پر باقی رہے گا، ورنہ علی التَّنَزُّل (کم سے کم درجہ پر مان لیا جائے تو بھی) اُس وقت نماز مکروہ (ناپسندیدہ) ہونے میں تو شک نہیں، کہ جب بعض کتبِ فقہ میں اس وقت نمازِ ظہر میں کراہت گُمان کی، صرف اس خیال سے کہ صاحبین کے نزدیک وقت قضا ہو گیا، حالانکہ فرضِ ظہر بالاِجماع (تمام علما کے اتفاق سے) ساقط ہو جائے گا اگرچہ قضا ہی سہی، تو اس وقت نمازِ عصر لاجرم (یقینی طور پر) سخت کراہت رکھے گی، کہ امام کے نزدیک ہنوز وقت ہی نہ آیا، تو فرض ہی سرے سے ساقط نہ ہو گا۔ اُدھر خلافِ صاحبین تھا، یہاں خلافِ امام، وہاں قضا و ادا میں اختلاف تھا، اور صحت اجماعی، دھر نَفْسِ صحت وبُطلان (نماز کے اصل درست یا غلط ہونے) ہی میں نزاع ہے، جب وہاں کراہت زَعم (خیال، گمان) کی گئی، تو یہ کس درجہ شدید مکروہ ہونا چاہیے؟ اور یہ تو بے شمار کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے، پس مُحتاط فِی الدِّین (دین میں احتیاط کرنے والے) کو لازم ہے کہ اگر جانے کہ مجھے مِثلِ ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے، اگرچہ ایک ہی آدمی کے ساتھ، اس جماعتِ باطلہ (نادرست جماعت) یا کم از کم مکروہہ بکَراہتِ شدیدہ (شدید ناپسندیدہ) میں شریک نہ ہو، بلکہ وقتِ اجماعی (تمام کے اتفاق والا وقت) پر اپنی جماعتِ صحیحہ، نَظیفہ (درست اور مکمل طور پر نرمی و ادب سے) ادا کرے، اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا، تو تقلیدِ صاحبین (صاحبین کی پیروی) میں شریک جماعت ہو جائے، اور تحصیلِ صحتِ متفق علیہا (اتفاقی طور پر صحیح نماز حاصل کرنے) و رفعِ کراہت (ناپسندیدگی کو ختم کرنے) کے لئے مِثلِ ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے۔ وَاللہُ تَعالٰی أَعْلَمُ بِالصَّواب[3] (فتاوی رضویہ صفحہ ۲۱۳ جلد ۲)

نمازِ عصر کا مستحب وقت: خوارج (اسلامی تاریخ کا ایک گمراہ فرقہ جو خلیفۂ وقت کی اطاعت سے نکل گیا) صرف سیدُنا علیُّ المرتضٰی رضی اللہُ عنہ کی مخالفت سے عصر بہت پہلے پڑھ لیتے۔ نجدی چونکہ خوارج کی شاخ (ذیلی جماعت) ہیں۔ (شامی) اس لیے انہوں نے بھی بہت پہلے عصر پڑھنی ہی ہے۔ غیر مقلدین (ایسا گروہ جو کسی

---

[3] (فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، باب الاوقات، نماز کے وقتوں کا بیان، 5/133 تا 136، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

امام کی تقلید نہیں کرتا) نجدیوں کے چیلے (پیروکار) ہیں، وہ بھی ان کی تقلید میں مجبور ہیں۔ افسوس دیوبندی فرقہ کا ہے کہ حنفیت کے دعوے کے باوجود یہ بھی خوارج کی طرح نماز میں جلدی کرتا ہے۔

اگر یہ واقعی حنفی ہیں تو نمازِ عصر حنفیوں کے اصول کے مطابق پڑھیں۔ احناف کے نزدیک نماز عصر میں ابر کے دن (بدلی یا آسمان پر بادل ہونے کے دن) تو جلدی چاہیے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر (پہلے) ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب (دیر کرنا پسندیدہ عمل) ہے۔ اس واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا **لِأَنَّهَا تَعْصِرُ** یعنی وہ نچوڑ کے وقت (سورج کی روشنی مدھم پڑنے اور دن ختم ہونے کے قریب وقت) پڑھی جاتی ہے۔

حکایت: حاکم و دار قطنی نے زیاد بن عبداللہ نَخَعی سے روایت کی: ہم اَمیرُ الْمُؤمنین علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْهَهُ الْکَرِیْم کے ساتھ جامع مسجد میں بیٹھے تھے۔ مؤذّن نے آ کر عرض کی: "یا اَمیرَ الْمُؤمنِیْن، نماز"!

اَمیرُ الْمُؤمنِیْن نے فرمایا" : بیٹھو"! وہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کے لیے عرض کی۔ اَمیرُ الْمُؤمنِیْن نے فرمایا: **هٰذَا الْكَلْبُ يُعَلِّمُنَا السُّنَّةَ**

یعنی: یہ کُتّا ہمیں سُنّت سِکھاتا ہے! پھر اُٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی۔

جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں پہلے مسجد میں بیٹھے تھے تو **فَجَثَوْنَا عَلَى الرُّكَبِ لِنُزُوْلِ الشَّمْسِ لِلْغُرُوْبِ نَتَرَاءٰهَا**

یعنی گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے تا کہ دیکھ سکیں کہ سورج غروب ہونے کے لیے نیچے اُتر چکا ہے۔ یعنی اُس زمانے میں دیواریں نیچی نیچی ہوتی تھیں، آفتاب (سورج) ڈھلک چکا تھا۔ بیٹھے بیٹھے نظر نہ آیا، دیوار کے نیچے اُتر چکا تھا۔ گھٹنوں پر کھڑے ہونے سے نظر آیا۔

مگر ہرگز ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص (دائرہ، چہرہ) متغیر (بدل) ہو جائے، اور اُس پر بے تکلّف نگاہ ٹھہرنے لگے۔

یعنی: جب تک کوئی غبارِ کثیر (بہت زیادہ گرد) یا ابرِ رقیق (باریک بادل) وغیرہ حائل (رکاوٹ) نہ ہو — کہ ایسے حائل کی وجہ سے تو ٹھیک دوپہر کے سورج پر بھی نگاہ بے تکلّف جمتی ہے، اس کا اعتبار نہیں۔

بلکہ صاف و شفافِ مطلع (آسمان) میں یہ جو قدرتی دائمی حیلوات کُرہ بخار (بخارات کے کرہ کی مستقل رکاوٹیں) ہوتی ہیں۔ کیونکہ افق کے قریب نگاہ کو اُس (فضا کے) کثیر حصے کو طے کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ سے طلوع و غروب کے قریب سورج پر نگاہ بے تکلّف جمتی ہے۔

جب سورج اس (افق) سے کچھ اونچا ہوتا ہے، اور کُرۂ بخار کا قلیل (کم) حصہ حائل رہ جاتا ہے، تو اُس وقت شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتی ہیں اور نگاہ جمنے سے مانع (رکاوٹ) بنتی ہیں۔ اور یہ حالت مشرق و مغرب (طلوع و غروب) دونوں میں یکساں ہے۔ جس کا حال اس شکل (نقش یا خاکے) سے عیاں (ظاہر) ہے۔

اب کُرۂ زمین ہے، موضعِ ناظر (یعنی: سطحِ زمین کی وہ جگہ جہاں کھڑا شخص موجود ہے) جو زمین کے سب طرف کُرۂ بُخار (یعنی: زمین کو گھیرنے والا فضا کا کرہ) ہے، جسے عالمِ نسیم (ہوا کا دائرہ) اور عالمِ لیل و نہار (دن اور رات کا کرہ) بھی کہتے ہیں۔ اور یہ ہر طرف سطحِ زمین سے ۴۵ میل یا قولِ اوائل (ابتدائی ماہرین کا قول) پر ۵۲ میل اونچا ہے۔

اس کی ہوا سے کثیف تر (زیادہ گاڑھی) ہے، تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حائل ہو گا، اتنا ہی نور کم نظر آئے گا اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی۔

مرکزِ شمس (سورج کا وسط) ہے، اور ہر طرف وہ خطہ ہے جو نگاہِ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے۔ پہلے نمبر پر آفتاب افقِ شرقی (مشرق کے کنارے) سے طلوع میں ہے، اور دوسرے، تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا، چوتھے نمبر پر ٹھیک نصف النہار (دوپہر کے وقت) پر نظر آیا۔ پھر پانچویں، چھٹے نمبر پر ڈھلکتا ہوا، ساتویں نمبر پر افقِ غربی (مغرب کے کنارے) پر غروب کے پاس پہنچا۔

ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر پر ہے تو خط "اَر" کا حصہ کرۂ بخار (فضا میں موجود بخارات کا کرہ) میں گزرا، اور دوسرے پر "اَح"، تیسرے پر "اَط"، چوتھے پر "اَح"۔ اور اقلیدس (مشہور یونانی ریاضی دان) سے ثابت ہے کہ ان میں "اَر" سب سے بڑا ہے، اور آفتاب جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے، "اَحاط" وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ نصف النہار پر خط "اَح" سب سے چھوٹا رہ جاتا ہے۔

ہم نے اپنے محاسباتِ ہندسیہ (جیومیٹری کے حسابات) میں ثابت کیا ہے کہ خط "اَح" یعنی دوپہر کے وقت کا خط اگر ۴۵ ہی میل ہے، تب بھی خط "اَر" یعنی وقتِ طلوع کا خط پانچ سو اٹھانوے میل (۵۹۸) سے بھی زائد ہے۔ پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے، وہ خطوط اسی نسبت پر بڑے ہوتے جاتے ہیں "اَی" برابر "اَط" کے پڑتا ہے، اور "اَک" برابر "اَح" کے، اور "اَن" برابر "اَر" کے ہے۔

یہاں سے واضح ہو گیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے، اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے، اور اس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے، اس کی شعاع دھیمی ہوتی ہے یہاں تک کہ شرق و غرب میں ایک حد کے قریب پہنچ کر اصلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی۔

مشرق میں جب تک اس حد سے آفتاب نکل کر اونچا نہ ہو جائے، اس وقت تک نماز منع اور وقتِ کراہت کا ہے۔ اور مغرب میں جب آفتاب اس حد کے اندر آجائے، اس وقت سے غروبِ آفتاب تک نماز منع اور وقتِ کراہت کا ہے۔

تو اس بیان سے سبب بھی ظاہر ہو گیا، اور یہ بھی حل ہو گیا کہ مشرق و مغرب دونوں جانب میں یہ وقت برابر ہے، نہ یہ کہ مشرق کی طرف تو یہ وقت پندرہ بیس منٹ رہے جو تقریباً ایک نیزہ بلندی کی مقدار ہے اور مغرب میں ڈیڑھ دو گھنٹے ہو جائے جو اس سے کئی نیزے زائد ہے۔

تجربہ سے یہ وقت تقریباً بیس منٹ ثابت ہوا ہے۔ تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے، اس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقتِ کراہت ہوا، اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں، وقتِ کراہت آجائے گا، اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی۔

ہاں، یہ جو بعض کا خیال ہے کہ آفتاب متغیر ہو آفتاب متغیر ہونے سے مراد دھوپ کا میلا ہونا ہے یہ ہرگز صحیح نہیں۔ جاڑے کے موسم میں تو آفتاب ڈھلکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد، کہ ابھی سایہ ایک مثل بھی نہیں پہنچتا اور بالاجماع وقتِ ظہر باقی ہوتا ہے، یقیناً آفتاب بہت متغیر ہو جاتا ہے، اور بالکل ظاہر طور پر دھوپ میں زردی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو چاہیے کہ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی وقتِ کراہت آجائے، اور نماز بے کراہت مل ہی نہ سکے، اور یہ صریح باطل و محال (ناممکن) ہے۔

ابوالسعود علی الکنز اور طحطاوی علی الدر میں ہے:

اَلْمُرادُ أَنْ يَذْهَبَ الضَّوْءُ فَلا يَحْصُلَ الْمُبْصَرُ بِهِ حَيْرَةً وَلا عِبْرَةً لِتَغَيُّرِ الضَّوْءِ، لِأَنَّ تَغَيُّرَ الضَّوْءِ يَحْصُلُ بَعْدَ الزَّوالِ.

یعنی تغیر آفتاب سے مراد یہ ہے کہ اُس کی روشنی جاتی رہے تو نگاہ کو اُس سے خیرگی حاصل نہ ہو اور دھوپ کا تغیر کچھ معتبر نہیں کہ یہ تو زوال کے بعد ہو جاتا ہے۔

بالجملہ سخن تحقیق وہ ہے جو ائمہ نے کتاب الاسرار و بحر الرائق وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر و عصر وغیرہما وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو حصے کریں۔

نصف اول(پہلا آدھاحصہ) چھوڑ کر نصف آخر(دوسرا آدھاحصہ) میں پڑھیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وقت سے مراد وقتِ مستحب(پسندیدہ وقت) ہے کہ وقتِ مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو لیا، اب تعیینِ وقت(وقت کا تعین) کے لئے مثلِ ثانی(چھاؤں کا دوگنا ہونے کا وقت) کے وقت کا تخمینہ لکھیں جس سے ظہر وعصر کا اندازہ ہو سکے۔

وہ یہ کہ ۲۱ مارچ تحویلِ حمل(سورج کا برج حمل میں داخل ہونا، یعنی بہار کا آغاز) اور ۲۳، ۲۴ ستمبر تحویلِ میزان(سورج کا برج میزان میں داخل ہونا، یعنی خزاں کا آغاز) میں ختم مثلِ ثانی یعنی شروع وقتِ عصر حنفی سے آفتاب کے غروبِ شرعی(سورج غروب ہونے کا شرعی وقت) تک ان بلاد(علاقوں) میں ایک گھنٹہ ۴۱ منٹ باقی ہوتے ہیں۔

اور ۲۰، ۲۱ اپریل تحویلِ ثور(سورج کا برج ثور میں داخل ہونا) اور ۲۳، ۲۴ اگست تحویلِ سنبلہ(سورج کا برج سنبلہ میں داخل ہونا) کو ایک گھنٹہ ۵۰ منٹ رہتے ہیں۔

اور ۲۱، ۲۲ مئی تحویلِ جوزا(سورج کا برج جوزا میں داخل ہونا) اور ۲۳ جولائی تحویلِ اسد(سورج کا برج اسد میں داخل ہونا) کو دو گھنٹہ ایک منٹ، اور ۲۳ جون تحویلِ سرطان(سورج کا برج سرطان میں داخل ہونا) کو دو گھنٹے چھ منٹ اور یہ سال میں سب سے بڑا وقتِ عصر ہے کہ اس سے زیادہ ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا۔

اور ۱۲، ۱۴ اکتوبر تحویلِ عقرب(سورج کا برج عقرب میں داخل ہونا) اور ۱۹ فروری تحویلِ حوت(سورج کا برج حوت میں داخل ہونا) کو ایک گھنٹہ ۳۶ منٹ، اور ۲۲، ۲۳ نومبر تحویلِ قوس(سورج کا برج قوس میں داخل ہونا) سے ۲۲ دسمبر تحویلِ جدی(سورج کا برج جدی میں داخل ہونا) اور پھر ۲۰، ۲۱ جنوری تحویلِ دلو(سورج کا برج دلو میں داخل ہونا) تک دو مہینے برابر بلکہ اس سے بھی کچھ زائد، ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ باقی ہوتا ہے اور یہ سال میں سب سے چھوٹا وقتِ عصر ہے کہ اس سے کم ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا۔

اسی حساب سے جس دن جتنا وقتِ عصر ہو، اُس کے آخر سے ۲۰ منٹ وقتِ مکروہ(ناپسندیدہ وقت) کے نکال کر باقی کے دو حصے کریں، حصہ اول(پہلا آدھا) چھوڑ کر حصہ دوم(دوسرا آدھا) سے وقتِ مستحب ہے۔

اور حصہ اول میں بھی اصلاً(بنیادی طور پر) کراہت نہیں، ہاں اتنی تعجیل(جلدی) کہ دو مثل پورے ہونے میں شک ہو، ضرور سخت خلافِ احتیاط ہے، اُس سے بچنا چاہیے، کہ اگر وہم وخدشہ(خطرہ) ہے تو کراہت ہے، اور اگر واقعی شک ہے تو امام کے طور پر ہو گی ہی نہیں۔

یوں ہی اتنی تاخیر نہ چاہیے کہ وقتِ کراہت آنے کا اندیشہ ہو جائے، اور اس سے پہلے اصلاً(بنیادی طور پر) کسی قسم کی کراہت کا نام ونشان نہیں، نہ وہ اللہ ورسول کے نزدیک کاہل(سست) ہے۔

یہ محض غلط وباطل ہے جب شرعِ مطہر(پاک شریعت) اُس وقت کو مستحب فرما رہی ہے تو کیا وقتِ مستحب میں ادا کرنا مکروہ اور فاعل(کرنے والے) کو کاہلی کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے؟ یہ نری نادانی ہے۔

پھر اگر اس نے احتیاط کی اور نماز میں تطویل (لمبا کرنا) کی کہ وقتِ کراہت وسطِ نماز میں آگیا، جب بھی اس پر اعتراض نہیں، نہ کہ وقتِ کراہت آنے سے پہلے ختم کر دے اور اعتراض ہو۔

در مختار میں ہے: لَوْ شَرَعَ فِيهِ قَبْلَ التَّغَيُّرِ فَمَدَّهُ إِلَيْهِ لَا يُكْرَهُ. وَاللهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ[4] (فتاوی رضویہ شریف جلد دوم)

فقیر نے حتی الامکان امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی تحقیق بلاکم وکاست نقل کیا ہے تاکہ اہل حق کو مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

فقط والسلام: محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بہاول پور۔ پاکستان ۲۴ شعبان ۱۴۲۲ھ

4) (فتاوی رضویہ، کتاب الصلوۃ، باب الاوقات، نماز کے وقتوں کا بیان، 5/136 تا 143، رضا فاؤنڈیشن لاہور)